

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ، أَمَّا بَعْدُ:

114: اہل سنت والجماعت کا منہج بھلائی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے میں اور ان کے علاوہ

دیگر اچھی خصلتوں کا بیان - Part 4

اہل سنت والجماعت آزمائشوں میں صبر، خوشحالی میں شکر اور بری تقدیر پر راضی ہونے کا حکم دیتے ہیں۔

العقيدة الواسطية للشيخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تيمية رحمه الله، شرح فضيلة الشيخ العلامة محمد بن صالح العثيمين رحمه الله۔ اور ہم بات کر رہے تھے پچھلے چند دروس میں "اہل سنت والجماعت کے عملی طریقے کا بیان": اور اس عملی طریقے میں مختلف اور متفرق بعض مسائل ہیں جن کا تعلق عقیدے کے اصول سے ہے، اور جہاں پر رُکے تھے وہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں عقيدة الواسطية میں:

”وَيَأْمُرُونَ بِالصَّبْرِ عِنْدَ الْبَلَاءِ، وَالشُّكْرِ عِنْدَ الرِّخَاءِ، وَالرِّضَى بِرِ الْقَضَاءِ“ (اور حکم دیتے ہیں (یعنی اہل سنت والجماعت)) ”بِالصَّبْرِ“ (آزمائشوں اور مصیبتوں کے وقت صبر کرنے کا حکم) ”وَالشُّكْرِ عِنْدَ الرِّخَاءِ“ (اور کشادگی کے حالات میں خوشحالی کے حالات میں شکر کرنے کا حکم دیتے ہیں) ”وَالرِّضَى بِرِ الْقَضَاءِ“ (اور کڑوی تقدیر پر راضی ہونے کا حکم دیتے ہیں)۔

یہ تین چیزیں ہیں اور بڑی کمال کی چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے، یہ عام باتیں نہیں ہیں یہ مومن کے ایمان کے وہ ثمرات ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو میسر فرماتا ہے:

(۱) ایک ہے صبر کرنا اور ایک ہے صبر جمیل کرنا فرق ہے۔

(۲) ایک ہے شکر کرنا اور ایک ہے شکر کرنے کا حق ادا کرنا۔

(۳) اور ایک ہے بُری تقدیر پر ایمان رکھنا اور اس راضی ہو جانا، جو بھی مصیبتیں ہیں تکلیفیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی آسانیاں فرمائے گا۔

تو آئیے دیکھتے ہیں ان تین جملوں میں فضيلة الشيخ العلامة محمد بن صالح العثيمين کیا فرماتے ہیں۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: ”یامرون“: اس جملے میں ”یامرون“ یعنی حکم دیتے ہیں اس سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس لفظ میں وہ اپنے آپ کو بھی شامل کر دیتے ہیں یعنی اپنے آپ کو حکم دیتے ہیں۔

اور یہ سچ بات ہے کہ سب سے پہلے جو اہل حق ہوتے ہیں اہل سنت والجماعت جو ہیں وہ دوسروں کو حکم دینے سے پہلے یاد دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے آپ کو سب سے آگے کر کے اپنے آپ کو سدھارنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، تو جتنے بھی حکم دوسروں کو دیتے ہیں نصیحتیں دوسروں کو کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ کر یہ دیکھتے ہیں کہ اپنے خدو خال کہاں پر ہیں اور وہ ان معاملات میں کہاں پر ہیں۔ اور ہر اہل ایمان کو ایسے ہی ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں:

﴿وَمَا أَرْبِيْ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ﴾ (یوسف: 53)۔

”فہم یامرون حتیٰ انفسہم“: وہ اپنے آپ کو بھی حکم دیتے رہتے ہیں ان اچھے اعمال اور اچھی چیزوں کا اور ان اچھی نصیحتوں کا۔ ﴿وَمَا أَرْبِيْ نَفْسِيْ﴾ (اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا ہوں)، کیوں؟ بے شک ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ﴾ (کہ نفس جو ہے وہ بُرائی کا حکم دیتا رہتا ہے)۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے آزمائشوں میں اور ان آزمائشوں میں سے ایک آزمائش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شیطان قرین پیدا کیا ہے انسان کے ساتھ ہے، اس قرین کے علاوہ شیطان جو ہے انسان کے دل میں بھی وسوسہ کرتا رہتا ہے یہ بھی پاور اللہ تعالیٰ نے شیطان کو دی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ انسان کے خون کی نسوں میں بھی دوڑتا ہے یہ شیطان خون میں بھی ہے، تو ہمیشہ نافرمانی کی طرف اس انسان کو آمادہ کرتا رہتا ہے بُرائی کو خوبصورت اور مزین کرتا رہتا ہے اور بہت بڑی آزمائش ہے یہ، اور اس آزمائش میں کامیابی کے لیے لازمی ہے کہ مومن جو ہے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے والا ہو اور اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ثابت قدمی کی دعا کرنے والا ہو۔

اور اس شیطانی قرین سے صرف ایک ہی ذات بچ چکی ہے کوئی اور نہیں بچ سکا جانتے ہیں کون ہے؟ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام، اور کمال یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا! یہ شیطان جو قرین ہے مسلمان نہیں ہے کافر ہے نافرمان ہے رب کا اسی لیے تو بُرائی کی طرف آمادہ کرتا رہتا ہے کفر تک بھی لے جاسکتا ہے پتہ ہے کیونکہ مسلمان تو نہیں ہے نا! اسی لیے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے اور وہ مسلمان ہو گیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد سے)، اور یہ خاصیت ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی۔

الغرض؛ تو اپنے آپ کو ہمیشہ حکم دیتے رہتے ہیں دوسروں سے پہلے کیوں؟ کیونکہ اصل قاعدہ یہ ہے: ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ
بِالسُّوءِ﴾: آپ اپنے آپ کو بری نہیں کر سکتے کہ میں پاک ہوں یا صاف ہوں یا معصوم ہوں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، انسان اس
کشمکش میں رہتا ہے خیر اور شر حق اور باطل کے بیچ میں اس سفر کو طے کرتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل حق کو اہل ایمان
کو مدد حاصل ہوتی رہتی ہے اور وہ حق کو اپناتے جاتے ہیں اور اصل کمال تو خاتمے پر ہوتا ہے کہ کس چیز پر خاتمہ ہوتا ہے، جس چیز
پر آپ کی زندگی گزری ہے خاتمہ اسی پر ہوتا ہے۔

تو ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم کس راستے کو اختیار کر رہے ہیں اور کس راستے پر چل رہے ہیں یقیناً ہمارا خاتمہ بھی اسی راستے پر ہی
ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا، جو صرف دکھاوے کے لیے کام کرتے ہیں پھر ان کا انجام بھی ایسے ہی ہوتا۔

منافقین بھی تھے نا اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ظاہر آتو لوگ ان کو صحابہ کہتے تھے کیوں؟
کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے ظاہراً اسلام بھی ان کا ظاہر ہوتا تھا نماز بھی پڑھتے تھے بھاری ہوتی تھی، فجر کی
نماز چھوڑ دیتے تھے عصر کی نماز ان پر بھاری تھی، نماز بڑی تیزی سے پڑھتے تھے حق ادا نہیں کرتے تھے لیکن صرف پڑھنے
والے تھے؛ انجام کیا ہوا؟ سبحان اللہ پوری سورۃ ہے قرآن مجید میں سورۃ المنافقون ہے ناسورۃ یہ کس کے لیے پیغام تھا؟ تاکہ
ہمیں پتہ چلے، اُن کے لیے جو اس زمانے میں تھے وہ بھی سنتے تھے پڑھتے تھے نہیں پڑھتے تھے؟!

کیا گزرتی ہوگی کہ یہ سورۃ ہمارے لیے نازل ہوئی ہے ہمارے نام یہ سورۃ نازل ہوئی ہے! شرمندگی اس کو ہوتی ہے جس کے
سینے میں دل ہو اس کو پتہ ہوتا ہے شرم و حیا ہوتی کیا ہے!

اب منافق جو سب سے بدترین لوگ ہیں یہود و نصاریٰ سے بھی بدترین لوگ ہیں پتہ ہے جو منافقین ہوتے ہیں نفاق اکبر کی بات
میں کر رہا ہوں کیوں ہیں ﴿فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (النساء: 145) یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ نیچے والی تہہ میں ہیں جہنم
میں؟ کیونکہ انہوں نے سب سے بڑا جھوٹ اپنے آپ سے، اپنے رب سے، اور لوگوں سے یہ بولا کہ وہ مسلمان ہیں جبکہ مسلمان
نہیں تھے۔ الغرض؛ تو انسان ہمیشہ اپنا محاسبہ کرتا رہے اور یہ دیکھے کہ وہ کہاں پر ہے اور جو بھی خیر خواہی دوسروں کے لیے چاہتے
ہیں اور خیر کا حکم دوسروں کو دیتے ہیں سب سے پہلے سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ اس کا اپنا ہے۔

پھر آتے ہیں ان تین جملوں پر:

1- سب سے پہلے ”بالصبر عند البلاء“: شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الصبر: هو تحمل البلاء“ (آزمائشوں کو مصیبتوں کو برداشت کرنا) تحمل برداشت کو کہتے ہیں)) ”وحبس النفس“ (اور نفس کو روکے رکھنا) حبس روکنے کو کہتے ہیں حبس قید کو بھی کہتے ہیں))۔ تو اپنے نفس کو قید میں رکھنا روکے رکھنا کس چیز سے؟ ان تین چیزوں سے: ”عن التسخط“: تسخط کہتے ہیں ناراضگی کو، ناراض ہونا یا کسی چیز سے ناگواری کا اظہار کرنا؛ ”عن التسخط بالقلب، أو اللسان، أو الجوارح“: ناراضگی کو دل سے زبان سے یا جسم سے ظاہر نہ کرنا سے کہتے ہیں الصبر۔ جو صبر کرنے والا ہوتا ہے ناوہ روک کر رکھتا ہے اپنی زبان کو، کچھ برا نہیں کہتا یا ایسا لفظ نہیں کہتا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے، اپنے اعضاء سے جسم کے حصوں سے منہ پر طمانچہ نہیں مارتا گریبان نہیں پھاڑتا سر پر مٹی نہیں ڈالتا بال نہیں نوچتا، یہ عملاً صبر ہے جسم سے، اور دل سے اسے تسلی اور یقین ہوتا ہے کہ یہ تکلیف یہ مصیبت یہ آزمائش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور آسانی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آئے گی، اور دل سے اسے قبول کر لیتا ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: ”والبلاء“: یہ تو الصبر، صبر کی تعریف اب بلاء کیا ہوتا ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: بلاء مصیبت کو کہتے ہیں آزمائشوں کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ البقرۃ آیت نمبر 155 اور 156 میں: ﴿وَلَتَجْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ﴾ (اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے) ﴿بِشَيْءٍ﴾ (کچھ چیز سے) ﴿مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ﴾ (خوف، ڈر سے) ﴿الْجُوعِ﴾ (بھوک سے) ﴿وَنَقْصٍ﴾ (اور کمی سے)، نقصان کس چیز میں؟ ﴿مِنَ الْأَمْوَالِ﴾ (اموال میں سے) ﴿وَالْأَنْفُسِ﴾ (اور جانوں میں سے) ﴿وَالشَّهْرِتِ﴾ (اور پھلوں میں سے)، آزمائش ان چیزوں کی کمی میں ہوگی یہ چیزیں کم ہوں گی؛ ﴿وَبَشِيرِ الصَّابِرِينَ﴾ (اور خوشخبری دو بشارت دو صبر کرنے والوں کو)۔

یہ کون ہیں؟ ﴿الَّذِينَ﴾ (یہ وہ ہیں) ﴿إِذَا أَصَابَهُمْ مُصِيبَةٌ﴾ (جنہیں کوئی اگر مصیبت پہنچتی ہے)، تو کیا کہتے ہیں؟ ﴿قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ (بے شک ہم اللہ کے ہیں اور یقیناً ہماری واپسی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے)۔

کوئی تکلیف پہنچی ہے نقصان ہوا ہے اکثر لوگوں کی یہ غلط فہمی ہے کہ یہ جملہ صرف موت کے وقت جب کسی کی موت ہوتی ہے تو تب کہا جاتا ہے اور صحیح بات کیا ہے؟ یہ ہر مصیبت کے وقت کہ مال میں کوئی کمی ہوئی ہے نقصان ہوا ہے، کوئی بیمار ہوا ہے، بندہ سنتا ہے کہ فلاں بیمار ہوا ہے یا فلاں گر گیا ایک سیڈنٹ ہوا ہے آپ کہتے ہیں ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾، کہتے ہیں کہ وہ ٹھیک ہے مرا نہیں ہے تو پریشان ہو جاتا ہے! پریشان نہیں ہونا چاہیے مصیبت میں یہی دعا کی جاتی ہے ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾، اور یہ

غلط فہمی ہے اپنے دماغ سے نکال دیں کہ یہ صرف موت کے پیغام ہی کے لیے کہا جاتا ہے جملہ یہ بات درست نہیں ہے، ہر مصیبت کے لیے ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: ”**فالصبر یكون عند البلاء**“: صبر مصیبت کے وقت آزمائش کے وقت ہوتا ہے اور سب سے افضل اور سب سے بلند درجے کا صبر جو ہے وہ ”**عند الصدمة الأولى**“: جب پہلے صدمہ ہوتا ہے جب پہلے خبر ملتی ہے نایا بُری خبر ملتی ہے ناس وقت دیکھیں اس انسان کا کیاری ایکشن (Reaction) ہوتا ہے وہی صبر ہوتا ہے اور اس صبر کی بنیاد ہوتی ہے ایمان پر کہ آپ کا ایمان کتنا مضبوط ہے۔

اور صبر کی تربیت اور باقی جو تین جملے ہیں ان تمام چیزوں کی جو اساس اور بنیاد ہے وہ ایمان ہی ہے جس کا ایمان مضبوط ہے تو وہ اس آزمائش میں مصیبت کی آزمائش میں کامیاب ہے شکر میں بھی کامیاب ہے اور بُری تقدیر پر راضی ہونا بھی اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے، اور اگر ایمان میں کمزوری ہے تو یقیناً ان تین چیزوں میں بھی ہے، یہ آپ کے ایمان کی ری فلیکشن (Reflection) ہے ایک طریقے سے کوئی دیکھنا چاہتا ہے ناکہ اس کا ایمان کتنا مضبوط کتنا قوی ہے تو اپنے آپ کو ان تین چیزوں میں دیکھ لے کہ وہ کہاں پر ہے اور کیا اس کا طرز عمل ہے۔

تو سب سے بلند درجے کا اور سب سے افضل جو صبر ہے وہ ہے ”**عند الصدمة الأولى**“: اور یہی حقیقی صبر کا عنوان ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں، جیسا کہ ایک قصہ ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جگہ سے گزرے تو ایک قبر کے قریب ایک عورت رو رہی تھی تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ”**اِنَّجِي اللهَ وَاصْبِرِي**“ (اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کرو) ”**قَالَتْ**“ (اس عورت نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا کہ کون ہے اس عورت نے یہ کہا) ”**اِلَيْكَ عَنِّي**، **فَاِنَّكَ لَمْ تُصَبِّ بِمُصِيبَتِي، وَلَمْ تَعْرِفْهُ**“ (آپ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیں آپ کو نہیں پتہ کہ مجھے کیا مصیبت پہنچی ہے اور میں کس حالت سے گزر رہی ہوں میری کیا حالت ہے)، تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلے گئے کچھ نہیں کہا، تو اس عورت سے کہا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جنہوں نے آپ سے ابھی بات کی ہے، تو اُن کی حالت غمزدہ ہوئی اور انہوں نے کہا مجھ سے کتنی بڑی غلطی ہو گئی میں نے کیا جواب دیا اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو! تو جلدی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی بھی چوکیدار نہیں پاتی ہیں ”**فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَابِينَ**“: کوئی بھی چوکیدار نہیں تو عرض کرتی ہیں اے اللہ تعالیٰ کے

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے آپ کو پہچانا نہیں مجھے پتہ نہیں تھا کہ آپ تھے، تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى“ (صبر تو صرف اور صرف پہلے صدمے کے وقت ہی ہوا کرتا ہے)۔ صبر کب ہوتا ہے؟ ”عند الصدمة الأولى“: جب پہلے مصیبت آتی ہے پہلے سب سے جب خبر ملتی ہے انسان کا جو سب سے پہلاری ایکشن (Reaction) ہوتا ہے ناس وقت صبر کی حقیقت سامنے آتی ہے۔ (اور یہ حدیث متفق علیہ حدیث ہے صحیح بخاری، مسلم میں یہ روایت موجود ہے)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: وجہ یہ ہے کہ جب تھوڑی دیر گزر جاتی ہے اس بُری خبر کے بعد یا صدمے کے بعد یا مصیبت کے بعد تو صدمہ بھی ٹھنڈا ہو جاتا اور صبر کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے لیکن اسے کامل صبر نہیں کہتے یہ ناقص صبر ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: اہل سنت والجماعت جو ہیں وہ حکم دیتے ہیں آزمائشوں کے وقت صبر کرنے کا اور کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے، الا یہ کہ اسے آزمائش ہوتی ہے اور اسے آزمایا جاتا ہے اس کے اپنے نفس میں اپنے اہل و عیال میں اور اس کے مال میں، دوستوں میں، اس کا جو گھر ہے گھر میں یا معاشرے میں جس میں وہ رہتا ہے اس میں، یا جس ملک میں وہ رہتا ہے اس میں یا عام مسلمانوں میں تو یہ آزمائشیں ہمیشہ رہتی ہیں اور مصیبتیں بھی آتی رہتی ہیں دنیا کی۔

یعنی کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ دنیا کا ایک بنیادی حصہ ہے آپ اس سے بچ نہیں سکتے اور یہ جو آزمائشیں ہیں ان سب تمام چیزوں میں یہ دنیا میں بھی ہوتی ہیں اور دین میں بھی ہوتی ہیں (آزمائشیں جو ہوتی ہیں یہ دنیا میں بھی ہوتی ہیں اور دین میں بھی ہوتی ہیں) اور جو دین کی مصیبت ہے وہ سب سے زیادہ بڑی مصیبت ہے دین کی جو مصیبت ہے جو دین کی آزمائشیں ہیں وہ دنیا کی آزمائشوں سے بھی بہت بڑی ہیں۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اہل سنت والجماعت حکم دیتے ہیں آزمائشوں پر صبر کرنے کا دو چیزوں میں:

(۱) ایک ہے دنیا میں دنیا کی آزمائشوں میں صبر کرنا اور اس کا ہم ابھی کچھ ذکر پہلے کر چکے ہیں۔

(۲) اور دوسرا جو ہے ”الصبر علی بلاء الدین“ دین کی آزمائشوں میں صبر کرنا اور دین میں آزمائش کے صبر سے یہ مراد ہے کہ دین پر ثابت قدم رہے اور تھوڑی دیر کے لیے بھی ہل نہ پائے اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جن کے تعلق سے اللہ نے یہ فرمایا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ﴾ (اور لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں یعنی اپنی زبانوں سے

﴿امْتًا بِاللّٰهِ﴾ کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں ﴿فَاِذَا اُوْدِيَ فِي اللّٰهِ﴾ (پس جب اسے اللہ تعالیٰ کے لیے یعنی دین میں اسے کوئی اذیت پہنچتی ہے یا اذیت دی جاتی ہے) ﴿جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ﴾ (وہ لوگوں کے فتنے کو آزمائشوں کو اور تکلیفوں کو اللہ تعالیٰ کا عذاب سمجھ لیتا ہے) اہل آخِر الآیة (العنکبوت: 10)۔ یعنی ثابت قدم نہیں رہ پاتا پاؤں پھسل جاتا ہے اور اس آزمائش میں ناکام ہو جاتا ہے، دین میں جب اسے آزمایا گیا تو ثابت قدم نہ رہ سکا اور اس کے دین میں جو ہے وہ کمی اور نقصان اٹھا بیٹھا۔

یہ مختصر چند جملے تھے ”الصبر عند البلاء“ اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر مصیبت اور ہر آزمائش میں صبر کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور کامیابی عطا فرمائے۔

2- دوسری بات یہ ہے: ”ویأمرون“ یعنی اہل سنت والجماعت جو ہیں: ”الشکر عند الرخاء“ (خوشحالی کی حالت میں کشادگی کی حالت میں رخاء کی حالت میں شکر کرنے کا حکم دیتے ہیں)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: ”سعة في العيش، والأمن في الوطن“: دو چیزوں پر مشتمل ہے الرخاء جو ہے: (۱) ایک تو معیشت میں وسعت کشادگی کہ کسی چیز کی کمی نہ ہو نہ مال کی نہ دولت کی نہ کھانے پینے کی اشیاء کی آسانی سے میسر ہوں یہ تمام چیزیں۔ (۲) ”والأمن في الوطن“: اور وطن میں امن وامان کا قائم ہونا۔

تو ایسی صورت میں ایسی حالت میں اہل سنت والجماعت جو ہیں کیا حکم دیتے ہیں؟ ”ویأمرون الشکر عند الرخاء“۔

پھر شیخ صاحب سوال کرتے ہیں کہ ان دونوں میں سے کیا مشکل ہے ”الصبر على البلاء، أو الشکر عند الرخاء“ (دونوں میں سے زیادہ کیا مشکل ہے کیا آزمائش کے وقت صبر کرنا یا کشادگی اور خوشحالی کے وقت شکر کرنا؟)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: علماء کا اس میں اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا کہ آزمائشوں پر صبر کرنا زیادہ مشکل ہے، اور دوسروں نے کہا کہ خوشحالی کے وقت کشادگی کے وقت شکر کرنا زیادہ مشکل ہے۔ اور شیخ صاحب فرماتے ہیں: صواب اور صحیح ان دونوں میں سے کہ ان دونوں کی جو ہے اپنی اپنی مشکلات اور آسانیاں اور آفتیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ ہود آیت نمبر 9 اور 10 میں: ﴿وَلَيْنَ اَذْقَنَا الْاِنْسَانَ مِتًا رَّحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَهَا﴾ (اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کے مزے چکھاتے ہیں پھر اس سے لے لیتے ہیں چھین لیتے ہیں) ﴿ثُمَّ نَزَعْنَهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَبْـُٔوْا كَفُوْرًا ۙ﴾ (تو انسان جو ہے وہ ناشکری اور مایوسی کی حالت میں چلا جاتا

ہے ناشکر اور مایوس ہو جاتا ہے) ﴿وَلَمَّا أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرِّ آءٍ مَسَّتْنَاهُ﴾ (اور اگر ہم اسے اپنی نعمتوں کا اور خیر کا مزہ چکھائیں اس کے بعد کہ اسے تکلیفوں نے اور مصیبتوں نے چھوا ہو) ﴿لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي﴾ (وہ کہے گا کہ جو بھی مشکلات ہیں وہ اس سے دور ہو گئیں) ﴿إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ﴿١٥﴾﴾ (تو وہ خوش ہو کر فخر کرتا رہتا ہے)۔

تو ان دونوں سورتوں میں اس انسان کو آزمایا گیا ہے، اور دونوں سورتوں میں انسان کی حالت کیسی ہونی چاہیے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: لیکن اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو ان دونوں کو آسان کیا جاسکتا ہے کہ جسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے یا اسے آزمایا جاتا ہے اگر تھوڑا سا وہ سوچے اور اس پر غور و فکر کرے کہ میری جزاء میری ناراضگی کیا اس مصیبت یا آزمائش کو ختم کر دے گی یا اسے روک دے گی یا تو میں صبر کروں اور جیسا صبر کرنے کا حق ادا کیا جاتا ہے ویسا صبر کروں ”صبر الکرام“ جسے کہتے ہیں، یا میں جانوروں کی طرح بے صبر اہو جاؤں، تو اس طریقے سے انسان جب یہ سوچتا ہے تو اس کے لیے صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ دیکھیں جانور صبر کرتا ہے کیا؟ جانور بے صبر ہوتا ہے کیونکہ اسے پتہ نہیں ہے کہ صبر ہوتا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے صبر سے آزمایا بھی نہیں ہے کیونکہ مکلف ہی نہیں ہے اس لیے جانور ری ایکشن (Reaction) بہت تیزی سے کرتا ہے کوئی اسے روکتا نہیں ہے (سبحان اللہ)۔

اور اسی طریقے سے شیخ صاحب فرماتے ہیں:

کشادگی اور خوشحالی کی حالت میں بھی انسان غور کرے تو اس کو یہ پتہ چلے گا کہ اگر شکر نہیں کرے گا تو نقصان اسی کا ہے یعنی جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہیں ہم دیکھیں سر ایا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، جو سب سے بڑا فقیر ہے جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے کھانے کا نا اس کا انتظام اللہ تعالیٰ نے اور طریقے سے کیا ہے زکوٰۃ سے یعنی بھوکا نہیں مرے گا وہ بھی، اگر ہم زکوٰۃ دینا شروع کر دیں کوئی فقیر بھوکا نہ مرے یہ تو اپنی کوتاہیاں اپنی غلطیاں ہیں کہ ہم اس چیز کی طرف بہت کم دھیان دیتے ہیں اور ان فرائض پر بہت کم لوگ عمل کرنے والے ہیں یہ الگ بات ہے لیکن یہ جو فقیر ہے جس کے پاس صرف مال نہیں ہے کیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محروم ہے یہ شخص؟! آپ کو پتہ ہے کہ اس کے اندر اس کی تخلیق میں اور اس کے سسٹم جو اس وقت چل رہے ہیں صحیح طریقے سے اس کی جو تندرستی ہے اس کی کوئی قیمت ہے؟!!

اور ایک درس میں میں نے چند مثالیں دی تھیں کہ صرف لیور ٹرانس پلانٹ (Liver transplant) کے لیے کتنے ملین کا خرچہ ہے! ہم نے کتنے دیئے ہوئے ہیں؟ ہمارا جگر کیسے چلتا ہے کون چلا رہا ہے؟ خراب ہو جائے تو کیا حالت ہو جاتی ہے اس انسان کی؟!؟

گردے دیکھ لیں آپ، دل دیکھ لیں آپ، تیزی سے پمپ کرنے والا ہے یہ دل مکمل خون آپ کے یہ ناخن تک یہاں تک پتہ ہے ناخن زندہ ہے نا یہاں تک یہ کیوں بڑھ رہا ہے ناخن پتہ ہے؟ بلڈ سپلائی رک جائے تو یہ بڑھیں گے؟ یہاں تک کیسے خون پہنچ رہا ہے کون پہنچا رہا ہے؟ اللہ کی قسم! میں نے پہلے بھی بتایا ہوا ہے کہ اگر ہمارے ذمے یہ ہوتا نا کہ اللہ نے رزق سب کو دینا ہے آپ کے منہ تک رزق فرشتے منہ کھول کر آپ کو کھلائیں گے اگر اللہ نے یہ ذمہ لے لیا ہوتا نا اور ہمارے ذمے یہ آگے کر دیتا نا کہ اپنے جسم کو اپنے لقمے کو آپ نے خون تک پہنچانا ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا ہے اور جو بھی اس کی ٹاکسک (Toxic) چیزیں ہیں جو پوائزن ہیں وہ آپ نے خود نکالنے ہیں کوئی مائی کالال کر سکتا ہے؟! اللہ کی قسم! کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

ایک لقمے کی بات میں کر رہا ہوں ایک لقمہ کھا کر اس میں سے جو اچھی چیزیں ہیں آپ خون میں شامل کر کے بُری چیزیں جو نقصان دہ ہیں وہ جسم سے نکال کر دکھاؤ، پیشاب کا ایک قطرہ نکال کر دکھاؤ بنا کر دکھاؤ!

اس لیے کسی نے ایک کوئی بہت امیر انسان تھا اس کا پیشاب رُک گیا پیشاب کی تکلیف ہو گئی انہوں نے کہا آپ کتنا کچھ دے سکتے ہیں اس پیشاب کو نکالنے کے لیے کتنا خرچ کر سکتے ہیں؟ کہتا ہے یہ جو بھی دیکھ رہے ہو یہ ساری مملکت جو ہے یہ ساری قربان کرنا چاہتا ہوں۔ کبھی دیکھا ہے ہسپتالوں میں مریضوں کو جن کا پیشاب رُک جائے ان کی کیا حالت ہوتی ہے؟!؟

یہ گردے کے درد کا مریض آپ نے دیکھا ہو گا واللہ بچوں کی طرح روتے ہیں بلبلا تے ہیں، بچوں کی طرح روتے ہیں مردوں کو اللہ کی قسم کھا رہا ہوں روتے ہوئے دیکھا ہے میں نے درد کی وجہ سے، اُس سے پوچھیں اس وقت اسے کچھ اچھا لگتا ہے جب شدید درد ہوتا ہے تکلیف ہوتی ہے؟! یہ چھوٹی سی تکلیف کی بات میں کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہر تکلیف اور شر سے محفوظ رکھے لیکن میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس کے پاس پیسہ نہیں ہے وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے بہت کچھ دیا ہے وہ نظر نہیں آتا، بہت ساری نعمتیں ایسی ہیں جو ہڈن (Hidden) ہیں چھپی ہوئی ہیں ہمیں نظر نہیں آتیں ان کا شکر کرنا بھی ہمارے لیے مشکل ہے اور تندرستی کے لیے جو ہمارے جسم کے جوڑ ہیں تین سو ساٹھ (360) اگر دو رکعت آپ چاشت کی نماز پڑھ لیتے ہیں نا (صلاة الصبح) آپ ان کی ادائیگی کر دیتے ہیں ورنہ اگر اس جوڑ کی حرکت کے لیے

اللہ تعالیٰ ہم سے مطالبہ کرتا کہ آپ نے اس کے لیے کچھ پیمنٹ (Payment) کرنی ہے اعمال صالحہ کی کتنا مشکل ہوتا ہمارے لیے؟!

جب تک فرض نماز نہیں فجر کی پڑھیں گے آپ چل نہیں سکیں گے کوئی چھوڑتا فجر کی نماز مساجد بھری ہوئی ہوتی ہیں کہ نہ ہوتی ہیں! جمعہ اور فجر میں کوئی فرق نظر آتا آپ کو؟! اگر آپ ظہر کی نماز نہیں پڑھیں گے آپ پانی نہیں پی سکیں گے عشاء کی نماز نہیں پڑھیں گے تو آپ کا نظام اخراج روک دیا جائے گا اللہ کے گھر بھرے ہوئے ہوتے کہ خالی ہوتے?!

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے ہمیں نہیں آزمایا اللہ تعالیٰ کافر کو بھی دیتا ہے تندرستی بھی ہے صحت بھی ہے عافیت بھی ہے رزق بھی ہے اور اولاد بھی ہے روزگار بھی ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ نے سب کو دیا ہوا ہے لیکن کبھی مومن نے سوچا ہے کہ اس کا ایمان اس سے کیا تقاضہ کرتا ہے؟! اگر اللہ تعالیٰ اسے اس طریقے سے آزماتا ہے تو پھر ایمان کہاں گیا ایمان بالغیب تو نہ ہونا؟!!

گھر کے بچے کو اگر ہمیں ہر وقت کام بتانے سے پہلے اس کو یوں کندھے پر مارنا پڑے کہ یہ کام کرو وہ کام کرو آتا نہیں جائیں گے ہم کہ کیسا بچہ ہے سنتا نہیں ہے بار بار اسے کہنا پڑتا ہے! لیکن اگر ایک دفعہ آپ اسے کہتے ہیں اور آپ کو سمجھ لیتا ہے کہ میرا والد مجھ سے کیا چاہتا ہے جب مہمان آئیں تو مجھے کیا کرنا ہے ایک دفعہ آپ نے کہا ہے دو دفعہ تو کتنی خوشی ہوتی ہے یہ تربیت ہوتی ہے۔

ہماری تربیت ہمارے رب نے کیسے کی ہے یا کیسے ہم کو دیکھنا چاہتا ہے، کیسا مسلمان ہمیں ہونا چاہیے ہم کیسے مسلمان ہیں، اللہ کے گھروں میں آج کیوں کمی ہے نمازیوں کی، اللہ کے گھروں کی کمی نہیں ہے مساجد کی کمی نہیں ہے بڑی خوبصورت اعلیٰ مساجد بنی ہوئی ہیں لیکن کاش جتنی محنت مساجد کی تعمیر میں ہوتی ہے نا اتنا نمازی بھی ان مساجد میں جانے کا حق ادا کرنے والے ہوں۔

الغرض؛ تو جس کے پاس کچھ مال نہیں ہے یہ نہ سمجھے کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے، تو یہ ذرا غور و فکر تھا کہ شکر ہم نے کرنا ہے کشادگی کی حالت میں اور خوشحالی کی حالت میں۔

اور شیخ صاحب فرماتے ہیں: اہل سنت والجماعت جو دونوں کا حکم دیتے رہتے ہیں صبر کا بھی اور شکر کا بھی۔

3- اور پھر تیسری بات: ”وَيَأْمُرُونَ بِالرَّضَىٰ بِرِ الْقَضَاءِ“ (کڑوی تقدیر پر راضی ہونے کا حکم دیتے ہیں)۔

راضی ہونا صبر کرنے سے بڑا درجہ ہے کیونکہ بڑی تقدیر یا کڑوی تقدیر جو تکلیفیں ہیں یہ بھی تو آزمائشیں ہی ہیں نا مصیبتیں ہی ہیں نا، ابھی تو ہم صبر کی بات کر رہے تھے اب ہم الرضیٰ کی بات کر رہے ہیں (راضی ہونے کی بات کر رہے ہیں) تو رضامندی جو ہے راضی ہونا جو ہے ہمیشہ صبر سے اس کا درجہ بڑا ہے۔

”ومر القضاء“ (کڑوی تقدیر جو ہے) ”هو ما لا يلائم طبيعة الإنسان“: جو انسان کی طبیعت کو ملائم نہ ہو جو انسان کو اچھا نہ لگے اور اسی لیے لفظ ”المر“ یعنی کڑوے کا ذکر کیا ہے اور اس لفظ سے تعبیر کی ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اُس چیز سے آزماتا ہے جو اس کو ملائم نہ ہو یا اس کے لیے جو تکلیف دہ ہو اور اسے کوئی اذیت یا تکلیف پہنچے تو اسے کہتے ”مر القضاء“۔ یہ اچھا میٹھا یا لذیذ نہیں ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں بلکہ یہ کڑوا ہے تو ایسی صورت میں اہل سنت والجماعت جو ہیں وہ راضی ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ اور قضاء کی جب ہم بات کرتے ہیں شیخ صاحب فرماتے ہیں: تو اس کو دیکھنے کے دو اعتبار ہیں:

(۱) پہلا: ”باعتباره فعلاً واقفاً من الله“: ذرا غور سے سنیں اہم بات ہونے جا رہی ہے: ”باعتباره فعلاً واقفاً من الله“ (جب انسان کو آزمایا جاتا ہے کوئی مصیبت اس کے مقدر میں لکھ دی جاتی ہے کوئی بیماری لکھ دی جاتی ہے کوئی تکلیف لکھ دی جاتی ہے تو اس میں دو اعتبارات سے اس کو دیکھنا چاہیے ایک جو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔

(۲) ”الثاني: باعتباره مفعولاً له“: دوسرا جو مفعول ہے جو تکلیف اس انسان کو پہنچی ہے۔

ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (فعل)، ایک انسان کو جو پہنچی ہے (مفعول)، تکلیف جو انسان کو پہنچی ہے یہ دو مختلف چیزیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم اس سے راضی ہو جائیں اور اس پر ہم کوئی اعتراض نہ کریں کیونکہ اسی سے اس جملے کا حق ادا ہوتا ہے اور معنی تمام ہوتا ہے ”الرضى بالله رباً“۔

ہم کہتے ہیں نا ”رضيتُ بالله رباً“ اور رب کون ہے؟ خالق ہے مالک ہے تدبیر کرنے والا مشکل کشا، نفع و نقصان کا مالک یہ سارے معنی موجود ہیں نارب کے لفظ ہیں؟ اب اس رب نے آزمایا ہے تکلیف سے تو پھر اعتراض کرنا چاہیے؟ جب رب مانا ہے اور یقین ہے اور ایمان ہے تو یہ ایمان ہم سے کیا تقاضہ کرتا ہے؟ کہ جو بھی تکلیف ہوگی اور رب کی طرف سے ہوگی اس پر ایک تو صبر کرنا ہے دوسرا اس پر راضی بھی ہونا ہے کوئی اعتراض نہیں کرنا۔

اور جو مفعول ہے جو اس بندے کو تکلیف پہنچی ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: ”فهذا يسن الرضى به“: اس سے راضی ہونا مسنون ہے واجب نہیں ہے لیکن صبر کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

ایک ہے صبر کرنا وہ واجب ہے (تکلیف پہنچی ہے واجب ہے صبر کرنا) لیکن کیا اس سے راضی بھی ہونا ہے؟ تکلیف، بیماری، نقصان پر راضی ہونا واجب نہیں ہے مسنون ہے اگر کوئی راضی ہونا چاہتا ہے اور یہ مضبوط ترین ایمان کی علامت ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں مثال ہے، مثال کے طور پر بیماری جو ہے اللہ تعالیٰ نے اس بیماری کو مقدر میں لکھا ہے اس سے راضی ہونا واجب ہے (یعنی آگے تفصیل آئے گی علماء کا ایک قول یہ ہے) اس بیماری کو اللہ تعالیٰ نے میری تقدیر میں لکھا ہے اس سے راضی ہونا شیخ صاحب فرماتے ہیں واجب ہے اور یہ خود جو بیماری ہے اس بیماری پر راضی ہونا مستحب ہے۔

ایک اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تقدیر میں جو ہے اس پر راضی ہونا واجب ہے، اور جو مقدر ہے جو مفعول ہے جو اس بندے کو تکلیف پہنچی ہے جو بیماری ہے اس پر راضی ہونا مستحب ہے مسنون ہے اور صبر جو ہے واجب ہے اور شکر مستحب ہے (راضی ہونا شکر کرنا مستحب ہے صبر واجب ہے)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: جن کو مصیبتیں پہنچتی ہیں ان کے چار مقامات ہیں: (۱) پہلا مقام ہے: ”السخط“ (ناراضگی)۔ (۲) دوسرا ہے: ”الصبر“۔ (۳) تیسرا ہے: ”الرضی“۔ (۴) چوتھا ہے: ”الشکر“۔

ترتیب دیکھی ہے: پہلا سخط ہے (ناراض ہونا)، دوسرا ہے صبر، تیسرا ہے راضی ہونا (الرضی)، چوتھا ہے الشکر (شکر کرنا)۔ تو سب سے پہلا جو ہے ”السخط“ (ناراض ہونا) حرام ہے (اس کا حکم کیا ہے؟ حرام ہے) ”بل هو من کبائر الذنوب“ (کبیرہ گناہوں میں سے ہے)، اور اس کو انسان ظاہر کیسے کرتا ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں اس کی مثل ایسی ہے جیسا کہ:

”یطم خده“: یعنی اپنے گالوں پر طمانچہ مارنا (“لطم” کہتے ہیں طمانچہ مارنا، ”خده“ گال کو کہتے ہیں)

”أو ینتف شعره“: یا بالوں کو نوچنا (نتف کہتے ہیں نوچنا، ”شعره“ بال (اپنے بالوں کو نوچنا))۔

”أو یشق ثوبه“: یا اپنے کپڑے کو گریبان کو پھاڑنا۔

”أو یقول: وا ثوراہ!“: یا کہے کہ ہائے میں ہلاک ہو گیا! (ثور کہتے ہیں ہلاک ہونے کو)۔

”أو یدعو علی نفسه بالہلاک وغیر ذلک“: کہ اپنے آپ کو بددعا دیتا ہے ہلاک ہونے کی یا اس کے علاوہ کچھ ایسے الفاظ جن میں ناراضگی کی دلالت موجود ہو۔

اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں متفق علیہ حدیث میں: ”لیس مناً“ (ہم میں سے نہیں ہے)،

کون؟ ”من شق الجیوب وأطم الخدود ودعا بدعوی الجاہلیة“: جو ”شق الجیوب“ گریبان کو پھاڑتے ہیں، ”وأطم الخدود“ اور گالوں پر طمانچہ مارتے ہیں، ”ودعا بدعوی الجاہلیة“ اور جاہلیت کے دعویٰ سے دعا کریں (یعنی بددعا کرنا اور یہ کہنا ہائے میں ہلاک ہو گیا)۔

دوسرا مقام ہے ”الصبر“ صبر کرنے کا: کہ اپنے دل سے زبان سے، پورے جسم سے اس ناراضگی سے روکے رکھنا تسخظ سے روکے رکھنا اور اس کا حکم ہے ”فہذا واجب“ یہ واجب ہے۔

تیسرا ہے ”الرضی“ (راضی ہونا): ”والفرق بینہ وبين الصبر“: اور اس کے اور صبر کے بیچ میں جو فرق ہے کہ جو صبر کرنے والا ہوتا ہے ”یتجرع المر“: وہ کڑواہٹ کو برداشت کرتا رہتا ہے، ناراض نہیں ہوتا نہ ناراضگی کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن اس کے نفس میں اس کڑواہٹ کو برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے (برداشت کرتا رہتا ہے ناصر کرتا رہتا ہے) اور جیسا کہ شاعر نے کہا ہے: ”وَالصَّبْرُ مِثْلُ اسْمِهِ مَزْمَقَاتُهُ ... لَكِنْ عَوَاقِبُهُ اُخْلَى مِنَ الْعَسَلِ“: اور صبر جیسا اس کا نام ہے یعنی صبر کا لفظ صبر سے لیا گیا ہے صبر ایک کڑوے پھل کو کہتے ہیں کڑوا درخت ہوتا ہے اس کو صبر کہتے ہیں، ”وَالصَّبْرُ مِثْلُ اسْمِهِ“ (جیسا کہ اس کا نام ہے) ”مَزْمَقَاتُهُ“ (اس کا جو ٹیسٹ ہے ذائقہ جو ہے کڑوا ہے) ”لَكِنْ عَوَاقِبُهُ“ (لیکن اس کی جو عاقبت ہے) ”اُخْلَى مِنَ الْعَسَلِ“ (شہد سے بھی زیادہ میٹھا ہے)۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں: یہ ایک طرف صبر کے تعلق سے ہے جو راضی ہو جاتا ہے وہ اس کڑواہٹ کو محسوس نہیں کرتا بلکہ مطمئن ہوتا ہے جیسا کہ اسے کوئی تکلیف پہنچی ہی نہیں ہے۔

اور جمہور علماء جو ہیں وہ اس چیز پر ہیں کہ جو المقتضی ہے مستحب ہے اور یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا اختیار ہے اور یہی الصحیح ہے (صحیح بات ہے)۔

چوتھا جو ہے ”الشکر“: کہ کوئی شخص اپنی زبان سے یا اپنے حال سے یہ کہے ”الحمد لله“: اور وہ اس مصیبت کو نعمت سمجھ لیتا ہے۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں اس مقام میں یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی مصیبت کو نعمت سمجھ لے اور کہے ”الحمد لله“ اور اس کا شکر کرے؟ کیونکہ سنت کیا ہے؟ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ“: حمد کی ہے کہ نہیں؟ یہ سب سے بڑا مقام ہے وہ کیسے شیخ صاحب فرماتے ہیں: یہ اُس کے لیے ہے جس کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے۔ سب سے پہلے جب ابھی یہ باتیں ہو رہی ہیں کہ کب کوئی شخص کسی مصیبت پر الحمد للہ دل سے اور زبان سے کہہ سکتا ہے؟ زبان سے تو انسان کہہ دیتا ہے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ“ کیا دل سے بھی اس پر راضی ہے کہ نہیں اصل بات یہ ہے۔ تو کیا طریقہ ہے یہاں تک پہنچنے کا؟

(۱) سب سے پہلے جب اسے یہ علم ہوتا ہے کہ یہ مصیبت اس کے لیے گناہوں کا کفارہ ہے اور دنیا میں اس کی سزا آخرت کی سزا سے زیادہ کم ہے اور آخرت کی سزا بہت زیادہ سخت ہے اور مشقت والی ہے تو یہ مصیبت اس کے لیے بہت ہی چھوٹی نظر آئے گی اور یہ مومن جو ہے یا یہ شخص جو ہے اسے نعمت سمجھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا۔

(۲) دوسری بات جب اس مصیبت پر صبر کرتا ہے تو اسے بہت اجر و ثواب ملتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ الزمر آیت نمبر 10 میں: ﴿إِنَّمَا يُوفَى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾۔ یقیناً، ﴿يُوفَى الصَّابِرُونَ﴾ (کہ صبر کرنے والوں کو جزاء دی جاتی ہے وفادی جاتی ہے) ﴿أَجْرَهُمْ﴾ (ان کا اجر جو ہے) ﴿بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (بغیر حساب کے)۔

شرعاً جو ہے دیکھیں جب آپ کوئی نیکی کرتے ہیں تو اس کا اجر ہے ہر نیکی کا اجر ہے اور یقینی بات یہ ہے کہ اس نیکی کا اجر کتنا ہے؟ اس عمل کے برابر نہیں ہے اس سے بڑھ کر ہے، کم سے کم دس گنا، سات سو گنا اور ”إِلا ما شاء الله“، بعض ایسے اعمال ہیں جن کا اجر بغیر حساب کے ہے اور ان میں سے الصبر ہے؛ اور روزہ بھی اسی میں سے ہے کیونکہ روزے کی اساس صبر ہی ہے نا؟ صبر ہے۔ تو اس اعتبار سے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا کہ اللہ نے اسے اس تکلیف سے آزمایا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اجر بغیر حساب کے دینا چاہتا ہے، جب آپ اس پر غور کریں گے تب آپ اس مرحلے تک پہنچیں گے۔

(۳) تیسرا، صبر کرنا جو ہے ارباب السلوک کے ہاں جو سمجھ بوجھ والے لوگ ہیں ان کے نزدیک سب سے بلند مقامات میں سے ہے اور اس کے اسباب کے بغیر اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا، تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ جب انسان مصیبت میں اور ہر حال پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا رہتا ہے اگر وہ دیکھے کہ اس نے جب یہ شکر کیا ہے تو اس کا ایمان کتنا مضبوط ہے اور رب نے اس کی کیسے مدد کی ہے اور کیسے توفیق دی ہے کہ ایسے مشکل ترین وقت میں ثابت قدمی بھی ملی ہے اور شکر کرنے والوں میں بھی شامل ہو گیا ہے (سبحان اللہ)۔

تو یہ تین چیزیں ہیں جن کا ذکر شیخ صاحب نے کیا ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں:

یہ کہا جاتا ہے کہ بعض ایسی عبادات تھیں (عبادت گزار عورتیں تھیں) جن کو انگلی میں کوئی تکلیف پہنچی تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا تو ان سے کہا گیا کہ آپ کیسے اللہ کا شکر ادا کر رہی ہیں تکلیف ہے آپ کو پہنچی ہے؟

”فقلت: إن حلاوة أجرها أنستني مرارة صبرها“ (کہ اس کے اجر کی جو چاشنی ہے مجھے اس کے صبر کی کڑواہٹ کو بھلا دیا)۔

(اس کے اجر کی جو ایک حلاوت ہوتی ہے مٹھاس ہوتی ہے نا وہ اتنی محسوس ہوئی یعنی ایک مقام ہوتا ہے نا (سبحان اللہ) کہ جو صبر کی تکلیف کی جو کڑواہٹ ہے میں بھول گئی)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: اہل سنت والجماعت جو ہیں ”رحمہم اللہ یاأمرون بالصبر علی البلاء والشکر عند الرخاء والرضی بہم القضاء“: یہ تین چیزیں۔ اب ایک تتمتہ اس کے ساتھ ساتھ چند اور الفاظ ہیں قضاء کے تعلق سے ”القضاء یطلق علی معینین“ شیخ صاحب فرماتے ہیں قضاء کے دو معنی ہیں:

1- پہلا ہے اللہ تعالیٰ کا حکم جو اللہ تعالیٰ کی قضاء ہے اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو اس پر راضی ہونا واجب ہے ہر حال میں چاہے دین کے اعتبار سے ہو یا کوئی قضاء ہو (شریعت کے تعلق سے ہو یا کون و قدر تقدیر کے تعلق سے ہو) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت راضی ہونے کو اس سے یہ ایمان تمام اور مکمل ہوتا ہے۔

جو دینی قضاء ہے اس کی مثال جو ہے جیسا کہ وجوب ہے تحریم ہے حل ہے واجب ہے جو شرعی احکام ہیں وجوب کا حکم ہے یہ کیا ہے؟ یہ قضاء ہے۔ کون سی ہے؟ شرعی ہے دین کے تعلق سے ہے؛ حرام ہے حلال ہے مکروہ ہے یہ ساری چیزیں جو ہیں احکام شرعیہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے قضاء ہے اللہ تعالیٰ کی (شرعی) اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ [آخر الآیة (الاسراء: 23)]۔ یہ لفظ ﴿قَضَىٰ﴾ کا ہے کہ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے؛ تمہارے رب کا کیا حکم ہے؟ ﴿أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾: توحید عبادت ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود مت بناؤ کسی کی عبادت نہ کرو۔

اور قضاء کوئی جو ہے جیسا کہ کشادگی خوشحالی، سختی، امیری غریبی، صلاح اور فساد، زندگی موت یہ ساری چیزیں جو ہیں یہ قضاء کوئی ہیں جسے تقدیر کہتے ہیں اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ﴾ (جب ہم نے فیصلہ کیا اس پر) یعنی سلیمان علیہ الصلاة والسلام پر) موت کا اور اسے موت آگئی) (سبأ: 14)۔

تو یہ لفظ قضاء کا ہے یہ کون سی قضاء ہے؟ قضاء کوئی قدری جو ہے۔

اور اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد سورۃ الاسراء آیت نمبر 4 میں: ﴿وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ﴾ (اور ہم نے حکم دیا فیصلہ کیا ﴿إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ﴾ بنی اسرائیل کو کتاب میں) ﴿لَتَقْسِدَنَّ فِي الْأَرْضِ﴾ (تم لازمی فساد کرو گے زمین پر) ﴿مَرَاتَيْنِ﴾ (دو مرتبہ) ﴿وَلَتَعْلَنَّ عَلْوًا كَبِيرًا﴾ (اور تم بہت ہی تکبر اور بڑائی کے مرحلے تک پہنچ جاؤ گے)۔

تو اس میں لفظ قضاء کا ہے اور یہ قضاء جو ہے اس سے مراد قضاء کوئی ہے شرعی نہیں ہے۔

2- دوسرا معنی جو ہے: ”المتضي“ (جس پر یہ حکم واقع ہوا ہے) ”وہو نوعان“ (اس کے دو ہیں):

(۱) ”المقضي شرعاً“: جو شرعاً مقضی ہے تو اس پر راضی ہونا واجب ہے اور قبول کرنا بھی واجب ہے، تو جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس کو بجالانا فرض ہے واجب ہے اور جس سے منع کیا گیا ہے اس سے رُکنا واجب ہے اور جو حلال ہے اسی کو لینا چاہیے۔

(۲) اور دوسری اس میں جو قسم ہے ”المقضي كونا“: جو تقدیر میں تکلیف واقع ہوئی ہے کونا جو شرعی نہیں ہے، یعنی اگر اس میں اللہ تعالیٰ کے فعل کی وجہ ہے جیسا کہ فقر ہے بیماری ہے، ”جذب“ (یعنی جذب کسے کہتے ہیں؟) قحط، جب بارشیں ختم ہو جاتی ہیں اور قحط ہو جاتا ہے، ”والهلاک“ اور ہلاک ہونا، ”ونحو ذلك“ اور اس طریقے سے، تو اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اس سے راضی ہونا سنت ہے واجب نہیں ہے، ”على القول الصحيح“۔

یعنی شیخ صاحب یہ فرما رہے ہیں پہلے بھی شیخ صاحب نے یہ کہا کہ یہ واجب ہے اس پر راضی ہونا واجب ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو بُری تقدیر ہے یا کڑوی تقدیر ہے پھر فرماتے ہیں کہ اس سے راضی ہونا جو قول راجح ہے وہ یہ ہے کہ سنت ہے واجب نہیں ہے کیونکہ واجب کا قول بھی بعض علماء کا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔

اور اگر یہ معاملہ جو ہے یہ بندے کی طرف ہو جیسا کہ احکام خمسہ ہیں یعنی واجب پر راضی ہونا جو شرعی احکام ہیں واجب پر راضی ہونا واجب ہے، مستحب پر راضی ہونا مستحب ہے، مباح پر راضی ہونا مباح ہے، مکروہ پر راضی ہونا مکروہ ہے، اور حرام پر راضی ہونا حرام ہے۔

یہ چند چیزیں ہیں ان تین جملوں کے تعلق سے اگلے درس میں ان شاء اللہ اس کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے چند مکارم الاخلاق کے تعلق سے اور محاسن الاعمال کے تعلق سے اہل سنت والجماعت کا کیا موقف ہے اس پر بات کریں گے (واللہ اعلم)۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ



[mp3 Audio](#)

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (114. العقيدة الواسطية) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔